از شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

اجتہاد کی شرعی حیثیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ انسانی ضروریات اور اور انسانی ماحول ایک حالت پر قائم رہنے والی چیز نہیں ہے اور تمدنی ترقیات کے ساتھ ہی ساتھ انسانی ضروریات کا تبدیل ہوتے رہنا ضروری امر ہے، لہٰذا آپ نے بہت سی فرعی باتوں سے متعلق خود احکام صادر فرمانے مناسب نہیں سمجھے اور اُن لوگوں کے فہم و فراست پر فیصلہ چھوڑ دیا ہے جو قرآن مجید کو اللہ تعالےٰ کی کتاب اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کا آخری پیغمبر مانتے اور کتاب وسنّت کے اصولی احکام کو واجب التعمیل جانتے ہیں، کتاب وسنت کے قوانین کو لازمی اور قابلِ عمل جاننے والوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اجتہاد و تفقہ سے کام لیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں ضروری اور ہنگامی قانون بنائیں اس کو فقہ اور قیاس کہتے ہیں اور مجتہد مصیب بھی ہو سکتا ہے اور مخطئ بھی، لیکن اگر صاحب اجتہاد نے اپنی پوری طاقت اور وسعت صرف کی اور معہذا اُس سے غلطی ہوگئی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ وہ ماجور ہوگا اور اللہ تعالےٰ کی رحمتِ بے پایاں سے ثواب کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرۃ ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حکم الحاکم فاجتهد و اصاب فله اجران و اذا حکم فاجتهد و اخطاء فله اجر واحد۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۲، ومسلم ج ۲ ص ۷۶ ومشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور اجتہاد کرتے ہوئے درست فیصلہ کرے تو اس کو دو اجر ملے گا۔ اگر اس سے خطا سرزد ہو تو اس کو ایک ہی اجر ملے گا۔

اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کسی کی محنت اور مشقت کو رائیگاں نہیں کرتا تو اجتہاد کرتے

وقت جو تکلیف اور کاوش مجتہد کو ہوئی ہے اللہ تعالےٰ اس پر اُس کو ضرور ایک اجر مرحمت فرمائے گا اور اصابتِ رائے کی صورت میں ایک اجر اجتہاد کا اور ایک اصابتِ رائے کا اس کو حاصل ہو گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مجتہد صحیح معنی میں مجتہد ہو۔ ورنہ القضاۃ ثلاثۃ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ جاہل آدمی کا فیصلہ اس کو دوزخ میں لے جائے گا۔ (رواہ ابوداود، ابن ماجہ المشکوۃ ج ۲ ص ۳۲۴) ۔ اس صحیح روایت سے اجتہاد کا درست ہونا اور خطاء کی صورت میں مجتہد کا معذور بلکہ ماجور ہونا صراحت سے ثابت ہوا۔ صرف بطور تائید و شاہد کے حضرت معاذ بن جبلؓ (المتوفی ۱۸ھ) کی روایت بھی سُن لیجیے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس وقت آپؐ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ :۔

کیف تقضی اذا عرض لک قضاءٌ قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ قال اجتہد برائی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضیٰ بہ رسول اللہ ۔ (رواہ الترمذی وابوداود والدارمی۔ مشکوۃ ج ۲ ص ۳۲۴ ۔

تُو کس طرح فیصلہ کرے گا جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا پیش ہوا؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالےٰ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں وہ بات تجھے نہ مل سکے؟ عرض کیا تو پھر سنّت رسول اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر سنّتِ رسول اللہ میں بھی نہ ہو؟ تو حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ الحمد للہ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کے قاصد کو اُس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ تعالےٰ کا رسول راضی ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

باسناد جید کما ھو مقرر فی موضعہ۔ (تفسیر ج ۱ ص ۳)

اس روایت کی سند عمدہ اور کھری ہے جیسا کہ اپنے موقع پر ثابت ہے۔

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے اس جواب پر کہ اجتہد

بوائی (کہ میں قیاس اور رائے سے کام لوں گا) اللہ تعالےٰ کا شکر ادا فرمایا اور اظہار مسرت کیا جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے فروعی قوانین کو منجمد رکھنا پسند نہیں فرمایا بلکہ ضرورت کے پیشِ نظر ایسے قوانین کو استقرائی رکھنا چاہا ہے تاکہ انسان کے قوائے دماغیہ کی نشوونما اور انسانی ترقیات میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو سکے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۳ھ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا۔ تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کو تلاش کرتے تھے ورنہ اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

ان ابا بکرؓ اذا نزلت بہ قضیۃ لم یجد لھا فی کتاب اللہ اصلا ولا فی السنۃ اثراً فقال اجتھد برائی فان یکن صوابا فمن اللہ وان یکن خطأً فمنّی واستغفر اللہ۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۶)	حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اگر ان کو اس کی وضاحت نہ ملتی تو فرماتے میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر درست ہوگیا تو اللہ تعالےٰ کی عنایت ہوگی ورنہ میری خطا ہوگی۔ اور میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشہور تابعی قاضی شریحؒ المتوفی ۸۵ھ کو خط لکھا۔ اس میں کتاب وسنت اور اجماع کے بعد خاص طور پر اجتہاد کرنے کا ذکر ہے (دیکھئے مسند دارمی ص ۳۴ ومثلہ فی کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اجماع کے بعد قیاس اور اجتہاد کرنے کا حکم دیا کرتے تھے (مسند دارمی ص ۳۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ معمول تھا کہ جب کتاب وسنت کے بعد حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے کوئی ثبوت نہ مل سکتا تو قال فیہ برائیہ (مسند دارمی ص ۳۳ ومستدرک ج ۱ ص ۱۲۷ وقالا صحیح علی شرطھما) اپنی رائے سے کام لیتے تھے۔

الغرض جمہور اہلِ اسلام قیاسِ شرعی کو صحیح اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"جمہور از صحابہؓ وتابعین وفقہا ومتکلمین باں رفتہ کہ اصلی از اُصولِ شریعت است	جمہور صحابہؓ وتابعینؒ اور فقہاء ومتکلمین اس کے قائل ہیں کہ قیاس شریعت کے اصولوں

استدلال میرود بداں بر احکام وارده بسمع و ظاہریہ انکارش کرده اند" (افادة الشیوخ ص۱۲۲)

ہیں سے ایک اصل ہے اس کے احکامِ وارده بسمع ہیں باقاعده استدلال صحیح ہے۔ اور اہل ظاہر نے قیاس کا انکار کیا ہے۔

اہلِ ظاہر کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ غیر نبی کو یہ مقام کیسے حاصل ہو گیا۔ کہ وه دین کی باتوں میں دخل دے۔ اعتراض بظاہر بڑا معقول اور وزنی ہے مگر حقیقت سے بالکل دور ہے، اس لیے کہ موجب حکم مجتہد اور قائس کا قیاس و اجتہاد نہیں ہے بلکہ موجب اصل میں وہی شرعی دلیل ہے جو قرآن کریم اور حدیث وغیره سے تعبیر کی جاتی ہے۔ مجتہد کا کام صرف اتنا ہے کہ مسکوت عنہ جزئی کی کڑی دلیلِ شرعی سے جوڑ دیتا ہے اور بس۔ چنانچہ مشہور فیلسوفِ اسلام علامہ ابن رُشد ابو الولید محمد بن احمد المتوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں۔

واما القیاس الشرعی فهو الحاق الحكم الواجب لشیٔ ما بالشرع بالشیٔ الذی اوجب الشرع له ذالك الحكم او لعلة جامعة بینهما۔

(بدایۃ المجتہد ج ۱ ص۳)

کہ قیاس شرعی اس کو کہتے ہیں کہ جو حکم شریعت میں کسی چیز کے لیے ثابت ہو چکا ہے اُس حکم کو اُس چیز کے اوپر بھی چسپاں کیا جائے جو مسکوت عنہ ہے یا تو اس لیے یہ اس کے مشابہ ہے اور یا اس لیے کہ ان دونوں میں علّت جامعہ مشترک ہے۔

نواب صاحبؒ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں" و اما قیاس پس در اصطلاح فقہاء حمل معلوم بر معلوم است در اثبات حکم یا نفی او بامر جامع میان ہر دو از حکم یا صفت و اختاره جمہور المحققین (افادة الشیوخ ص۱۲۱)

مولانا حافظ محمد عبد اللہ صاحب روپڑی لکھتے ہیں۔

" جب انسان کو کوئی مسئلہ قرآن و حدیث سے صراحۃً نہیں ملتا تو وه قرآن و حدیث میں اجتہاد و استنباط کرتا ہے اور وه اجتہاد و استنباط قرآن و حدیث سے الگ نہیں کہلاتا، اسی طرح صحابی کے اس قول کو جو اجتہاد و استنباط کی قسم سے ہو، اس کو قرآن و حدیث سے الگ نہ سمجھنا چاہیے بلکہ قرآن و حدیث میں داخل سمجھنا چاہیئے۔ (بلفظہ ضمیمہ رسالہ اہلحدیث ص۶)

اجتہاد کی اہلیت

یہ بات طے شدہ ہے کہ اجتہاد کے لیے چند نہایت ضروری شرطیں ہیں جن میں وہ نہ پائی جاسکیں ان کی بات ہرگز حجت نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ صوفیاء کرام کی باتیں بھی شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتیں الّا یہ کہ وہ شریعت کے موافق ہوں۔ چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی المتوفی حدود ۱۰۰۰ھ لکھتے ہیں۔

"اور جو عابد و زاہد اہلِ اجتہاد نہیں وہ عوام میں داخل ہیں، اُن کی بات کا کچھ اعتبار نہیں ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں سے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی" (نفائس الاظہار ترجمہ مجالس الابرار صفحہ ۱۲۷ ۔

مجالس الابرار کی حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے بڑی تعریف کی ہے حضرت مجدد الف ثانی نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"عملِ صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نہ کنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالےٰ مفوض داریم اینجا قول امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابو بکر شبلی و ابو حسن نوری۔

(مکتوبات دفتر اوّل صفحہ ۳۳۵ مکتوب ۲۶۶)

صوفیاء کی بات حل و حرمت میں سند نہیں ہے یہی کافی ہے کہ ہم ان کو ملامت نہ کریں، اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔ اس جگہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہوگا نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو حسن نوری جیسے صوفیاء کرام کا۔

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ دین کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہو چکی تھی مگر تکمیلِ دین کا یہ مطلب ہے کہ قواعد و ضوابط اور کلیاتِ دین پورے طور پر مکمل ہو چکے تھے بعد کو پیش آنوالے واقعات اور حوادث کو ان اصول اور کلیات کے تحت درج کرنا اور انہی جزئیات کو کلیات پر منطبق کرنیکا نام قیاس و اجتہاد ہے لیکن بسا اوقات جزئیات کا کلیات میں داخل کرنا کسی خاص عارضہ کیوجہ سے بعض لوگوں پر مخفی رہ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ فروعی مسائل میں فقہاء اسلام کا اختلاف ہے اور ایسے مواقع پر جو چیز اقرب الی الحق ہو۔ اسکو قبول کر لینا اور اسپر عمل کرنا نجات کیلیے کافی ہے، ہاں اگر قرآن اور حدیث سے کوئی نص مل جائے یا اجماع پر اطلاع ہو جائے تو اس صورت میں قیاس سے رجوع کرنے میں ہرگز تامل نہیں ہونا چاہیئے۔